© rasailojaraid.com

۲۱۔ سورۃ آل عمران، آیت ۱۱۰

۲۲۔ سورۃ المائدہ، آیت ۲

۲۳۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۷

۲۴۔ سورۃ الاعراف، آیت ۸۵

۲۵۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۰۵

۲۶۔ سورۃ المائدۃ، آیت ۳۲

۲۷۔ سورۃ الانعام، آیت ۱۵۱

۲۸۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۷۸

۲۹۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۷۹

۳۰۔ سورۃ المائدہ، آیت ۳۲

۳۱۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۹۱

۳۲۔ سورۃ المائدہ، آیت ۳۳۔۳۴

۳۳۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۰۸

۳۴۔ ضرب کلیم، ص ۲۹۔ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، مارچ ۱۹۵۳ء

۳۵۔ مشکوٰۃ شریف، جلد دوم، باب القتال فی الجہاد، فصل اول، ص ۳۱۲

۳۶۔ مشکوٰۃ شریف، جلد دوم، باب القتال فی الجہاد، فصل اول، ص ۳۱۴

۳۷۔ مشکوٰۃ شریف، جلد دوم، باب القتال فی الجہاد، فصل اول، ص ۳۱۵

۳۸۔ سیوطی، جلال الدین، حضرت علامہ، تاریخ الخلفاء، (مترجم شمس بریلوی)، ص ۱۹۷، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، اپریل ۱۹۸۷ء

۳۹۔ سورۃ المائدہ، آیت ۸۲

۴۰۔ سورۃ الانفال، آیت ۶۱

۴۱۔ سورۃ الکافرون، آیت ۶

مولانا مظہر بقا۔ حیات و علمی خدمات

ایک مختصر جائزہ

ڈاکٹر محمد عبدالشہید نعمانی

پروفیسر شعبہ عربی، کراچی یونیورسٹی

ممتاز عالم دین، سلسلہ نقشبندیہ میں مجاز بیعت شعبہ اسلامیات کراچی یونیورسٹی کے سینئر استاد اور جامعہ ام القریٰ مرکز احیاء التراث الاسلامی کے فاضل رکن حضرت مولانا ڈاکٹر محمد مظہر بقا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مؤرخہ ۱۶ رجب ۱۴۲۶ھ بمطابق ۲۱ اگست ۲۰۰۵ء بروز ہفتہ بوقت ساڑھے گیارہ بجے اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ہجری تاریخ کے اعتبار سے ۸۶ برس تھی۔ مولانا کا اصلی نام مظہر ہے محمد کا سابقہ تبرک کے طور پر ہے اور بقا کا لاحقہ تاریخ ولادت سن ۱۳۳۰ھ کے نکالنے کے لئے ہے۔

مولانا ۲۲ شعبان ۱۳۳۰ھ بروز جمعہ ہندوستان کی ایک سابق مسلم ریاست ٹونک کے ایک پرگنہ سرونج میں پیدا ہوئے یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جسکی آبادی پچاس ہزار کے قریب ہے اور یہ مدھیہ پردیش میں بھوپال سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ مولانا کے والد گرامی کا نام منشی ضامن علی تھا اور ان کی پیدائش کے بعد مظہر بقا تاریخی مناسبت سے نام رکھا گیا۔

مولانا نے ہندوستان کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۴۷ء میں سند فراغ حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی۔ دارالعلوم کے فراغ سے متصل ہی مولانا علمی شغل میں مصروف ہو گئے اور چونکہ فقہ سے خصوصی مناسبت تھی اس لئے اس میدان میں ہاتھوں ہاتھ لئے گئے اور آپکا سب سے پہلا تقرر بحیثیت مفتی عدالت شریف ٹونک ہندوستان میں ہوا۔ اس منصب پر آپ نے دو سال ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۳ء خدمات انجام دیں۔ علاوہ ازیں کچھ عرصہ پرنسپل اورینٹل کالج دوجانہ ہندوستان اور استاد سعادت ہائی اسکول سرونج کی حیثیت سے قیام ہندوستان کے دوران خدمات انجام دیں۔ سرکاری ملازمت کی کشش آپ کو حیدرآباد دکن لے گئی اور وہاں آرمی ایجوکیشن کور میں جے سی او کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فوجی ملازمت آپ کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی تھی بہت جلد آپ نے اس منصب سے رضاکارانہ سبکدوشی حاصل کر کے شغل تجارت اپنالیا۔ پاکستان آمد کے بعد ۱۹۵۳ء میں بحیثیت نائب مفتی دارالعلوم نانک واڑہ سے منسلک ہوئے یہ سلسلہ دو سال تک چلتا رہا۔ اور آپ نے مفتی محمد شفیع صاحب کے نائب کی حیثیت سے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دیں ۱۹۵۵ء میں سندھ مسلم کالج کراچی میں بحیثیت لیکچرر آپ کا تقرر ہوا ۱۹۶۱ء تک آپ اس ادارہ سے منسلک رہے۔ سندھ یونیورسٹی حیدرآباد میں لیکچرر شعبہ تقابل ادیان و اسلامک کلچر مقرر ہونے کے بعد آپ حیدرآباد منتقل ہو گئے اور دو سال تک وہاں خدمات انجام دیں، اور ۱۹۶۲ء میں کراچی یونیورسٹی نے آپ کی خدمات سے استفادہ کے لئے بحیثیت استاد آپ کو پیشکش کی جسے آپ نے قبول کیا۔ آپ نے یہاں شعبہ اسلامیات میں بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر و ایسوسیٹ پروفیسر ۱۹۷۸ء تک ایک فعال استاد کی حیثیت سے تحقیقی اور تدریسی خدمات انجام دیں۔

کراچی یونیورسٹی میں تدریسی فرائض کی خوش اسلوبی سے انجام دہی کے ساتھ ساتھ مولانا نے تحقیقی کام بھی جاری رکھا اس دوران آپ کے کئی علمی و تحقیقی مضامین اور کتابیں پاکستان کے موقر اداروں سے شائع ہو کر اہل علم کی توجہ کا مرکز بنیں۔ جن موقر جرائد اور اداروں نے آپ کی نگارشات کو شامل اشاعت کیا ان میں فکر و نظر اسلام آباد، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی اور ہمدرد فاؤنڈیشن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شعبہ اسلامیات کراچی یونیورسٹی میں دوران ملازمت آپ کا سب سے زیادہ موقر اور تحقیقی کام پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے۔ یہ مقالہ آپ نے نہایت محنت پوری دلجمعی اور لگن کے ساتھ ڈاکٹر سید محمد یوسف مرحوم صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی کی زیر نگرانی تحریر کیا۔ (مقالہ کا عنوان تھا" اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ" اس مقالہ پر ممتحنین کی مثبت رپورٹ کے بعد کراچی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی سند عطا کی گئی۔

مقالہ کے ممتحنین ڈاکٹر حمید اللہ اور ڈاکٹر فضل الرحمن قریشی تھے۔) یہ مقالہ اور جمل ریسرچ اور جدید انداز تحقیق کا اعلی نمونہ ہے اور پی ایچ ڈی کی سطح پر ریسرچ کرنے والوں کے لیے ایک مثالی نہج تحقیق فراہم کرتا ہے۔ مولانا نے شاہ صاحب کے بارے میں روایتی انداز تصنیف سے ہٹ کر ایک نیا اسلوب اختیار کیا ہے اور بعض نئے نکات اٹھائے ہیں۔ شاہ صاحب کے دور کے سیاسی حالات کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد ان کے ذہنی ارتقاء فقہی مسلک پر اس کے اثرات اور عوامل سے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ سفر حرمین کے اسباب و علل کا جائزہ لینے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ ابتداء میں شاہ صاحب نے فقہا محدثین کی روش اختیار کی پھر حنفیت اور شافعیت کے درمیان توفیق و تطبیق کی کوشش کی اور پھر آخری مرحلہ میں مذاہب اربعہ کے درمیان توافق اور اتحاد پیدا کرنے میں سرگرم ہو گئے شاہ صاحب کے فقہی مسلک کا خلاصہ کے عنوان سے مولانا نے درج ذیل سطور تحریر کی ہیں:

" خلاصہ یہ ہے کہ شاہ صاحب نہ ان مقلد فقہا کی طرح ہیں جو اپنے امام کے قول سے سر مو تجاوز نہیں کرتے نہ ان اصحاب ظواہر کی طرح ہیں جو قیاس اور اجماع کو حجت نہیں مانتے نہ ان متقدمین اہل حدیث کی طرح جو مجتہدین کے اقوال کی طرف قطعاً التفات نہیں کرتے اور نہ ہمارے زمانہ کے ان اہل حدیث حضرات کی طرح جن کے ہندی پیش رو شیخ فاخر الہٰ آبادی شیخ نذیر حسین دہلوی اور نواب صدیق حسن بقول مولانا عبدالحئی تقلید کو حرام کہتے ہیں اور قیاس اور اجماع کی حجت کے بھی منکر ہیں اور جن میں کہ بعض متشددین مقلد مثلاً شیخ عبدالحق بناری اور شیخ عبداللہ الہٰ آبادی وغیرہ مقلدین کو اہل بدعت اور اہل ہوی کہتے ہیں اور ائمہ خصوصاً امام ابوحنیفہ کی عزت کے درپے ہیں شاہ صاحب ایک فقیہ محدث کی طرح مجتہدین کے اقوال اور احادیث دونوں کو پیش نظر رکھتے ہیں"

آخر میں ساری بحث کا خلاصہ اس دلچسپ جملہ پر ختم کیا ہے:

" شاہ صاحب پر سب سے زیادہ غلبہ تصوف کا ہے اور ان کے فقہی مذہب کی زمام بھی ان کے تصوف کے ہاتھ میں ہے" ے

شاہ صاحب کے مسلک کے تعین کے بعد مولانا مرحوم نے اصول فقہ اور اسکی تدوین کی مختصر تاریخ بیان کرنے کے بعد اصول فقہ کی بعض اہم اصطلاحات کی تشریح کی ہے اور ان اصطلاحات کے بارے میں شاہ صاحب کے نقطہ نظر کا بڑی تفصیل سے مطالعہ کیا ہے خصوصاً اجماع کی حجیت اور وقوع کے بارے میں شاہ صاحب کی رائے کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ وقوع اجماع کے بارے میں شاہ صاحب تضاد بیانی کا شکار ہو گئے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"صحابہ کے بعد لوگوں کے اجماع کو شاہ صاحب تسلیم تو کرتے ہیں لیکن اس باب میں ان کے متضاد بیانات ملتے ہیں کہ صحابہ کے بعد بھی اجماع کا وقوع ہوا ہے یا نہیں شاہ صاحب کی بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اجماع صرف خلفاء ثلاثہ کے زمانہ تک ہوا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اجماع صحابہ کے بعد بھی ہوتا رہا ہے"۔ [۳۳]

کشف وجدان کا شاہ صاحب کی زندگی میں کس قدر دخل ہے اس پر گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"شاہ ولی اللہ کو ان کی تصریح کے مطابق اگرچہ تین باتیں عطا کی گئی تھیں برہان، وجدان، اور سمع (علم منقول) اور ہر مرحلہ میں یہ تینوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی زندگی میں وجدان کو برہان پر تقدم حاصل ہے یعنی پہلے انہیں کسی بات کا کشف ہوتا ہے اور پھر اسے حق مان کر اس کے مطابق دلائل قائم کر دیتے ہیں۔ چنانچہ فقہی مسلک کے سلسلہ میں شاہ صاحب پر جو یہ مراحل گزرے ہیں ان میں ان کے وجدان کو اتنا دخل ہے کہ اگر یہ کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان کا فقہی مسلک اصل میں وجدان پر مبنی ہے اور تمام دلائل کی حیثیت محض تائیدی ہے۔ سفر حرمین سے قبل ان کا جو رجحان ہوا اس میں بھی نور غیبی کا دخل ہے حرمین پہنچ کر مذاہب اربعہ میں تقلید یہ بھی حضور ﷺ کے روحانی حکم کا نتیجہ ہے، حنفی اور شافعی مذہب کو ملا کر ایک کرنے کا رجحان بھی زملاء اعلیٰ کی طرف سے قلب میں پیدا شدہ ایک داعیہ کا نتیجہ ہے مذاہب اربعہ کو ایک سطح پر سمجھنا یہ بھی حضور کے روحانی ارشاد کا اثر ہے مذہب حنفی کو سنت کے موافق کرنے کا طریقہ بھی حضور کے روحانی ارشاد اور کشف پر مبنی ہے مؤطا کو اختیار کرنے کی بنیاد بھی الہام پر ہے جس فقہ کی بنیاد رکھی وہ بھی خلعت فاتحیت سے نوازے جانے کے بعد روحانی تعلیم کا نتیجہ ہے اور انہیں اجتہاد کا جو مقام حاصل ہوا اس میں بھی ورد غیبی شامل ہے"۔ [۳۴]

اس اقتباس میں جو نتائج اخذ کیے گئے ہیں وہ بجز ظن اور تخمین پر مبنی نہیں۔ مولانا نے تفہیمات، فیوض الحرمین، انفاس العارفین، الدر الثمین اور مصفی کے مقدمہ سے باقاعدہ حوالے نقل کیے ہیں۔ [۳۵]

کتاب کے آخر میں تقلید کے موضوع پر بڑی سیر حاصل گفتگو ہے غرض یہ کہ پوری کتاب ریسرچ و تحقیق کا اعلیٰ شاہکار اور مولانا کے وسعت مطالعہ، دقت نظر، ناقدانہ اسلوب پر دال ہے۔ ۱۹۷۸ء میں مولانا جامعہ ام القریٰ کے انتہائی وقیع ادارہ معہد البحوث، مرکز احیاء التراث الاسلامی مکہ مکرمہ سے بحیثیت ایسوسی ایٹ پروفیسر وابستہ ہو گئے کسی پاکستانی کا بحیثیت محقق اس ادارہ سے وابستہ ہونا نہ صرف یہ کہ ایک اعزاز کی بات ہے بلکہ یہ مولانا کی صلاحیتوں کی عالمی پیمانہ پر اعتراف کی ایک روشن مثال بھی ہے۔

مولانا نے یہاں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور دنیا بھر کے چوٹی کے علماء کے درمیان اصول فقہ کے ایک ماہر کی حیثیت سے نام پیدا کیا اور کئی نادر مخطوطات کو جدید انداز میں ایڈٹ کیا اور پانچ جلدوں میں معجم الاصولیین کے نام سے اصول فقہ کے ماہرین کے حالات جمع کیے۔ مولانا کی عربی زبان میں بعض تصانیف کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

تحقیق المختصر فی اصول الفقہ علی مذہب الامام احمد بن حنبل

یہ کتاب مشہور حنبلی عالم علی بن محمد بن علی بن عباس بن شیبان البعلی الدمشقی المتوفی ۸۰۳ھ کی تالیف ہے ان کا لقب علاء الدین اور کنیت ابوالحسن ہے عام طور پر علمی حلقوں میں ابن اللحام کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کا شمار فقہ حنبلی کے ممتاز اور نمایاں فقہاء میں ہے۔ اصول فقہ میں یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود بڑی جامع مصنف کے تبحر علمی اور اصول فقہ میں مہارت پر دال ہے۔ مولانا نے اس کتاب پر مقدمہ کے علاوہ نہایت مفید حواشی تحریر کیے ہیں اور کئی نسخوں سے متن کا تقابل کیا ہے۔ ۱۴۰۰ھ میں یہ کتاب مرکز البحث العلمی و احیاء التراث الاسلامی کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی ہے۔

تحقیق کتاب بیان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب

ہمارے یہاں علامہ ابن حاجب کی شہرت ان کی کتاب کافیہ کے حوالے سے ہے اور ایک باکمال نحوی کی حیثیت سے اہل علم ان سے متعارف ہیں لیکن یہ نحو میں مہارت کے ساتھ ساتھ علوم عربیہ صرف و بلاغت عروض ادب اور شاعری کے علاوہ ایک فقیہ اصولی، متکلم اور علم قراءات وغیرہ میں بھی بڑی شہرت کے حامل اور صاحب تصانیف تھے۔ اصول فقہ میں لکھے گئے ان کے ایک مختصر رسالے کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور اسکی سات ممتاز علماء نے مختلف اوقات میں شروح تحریر کیں جو السبع السیارہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ان ہی میں ایک شرح بیان المختصر بھی ہے جس کے مؤلف شمس الدین ابو الثناء محمود بن عبدالرحمٰن بن احمد الاصفہانی المتوفی ۷۴۹ھ ہیں مولانا مظہر بقا نے اس شرح کو نہایت تفصیل کے ساتھ ایڈٹ کیا ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ متن کی کامل تصحیح کے ساتھ کئی قلمی نسخوں سے اسکا تقابل کیا ہے۔ مصنف اور شارح کے مفصل حالات تحریر کیے ہیں ان کی تصانیف کا تفصیلی تعارف کرایا ہے نیز اصول فقہ کے بعض مباحث پر نہایت گراں قدر حواشی تحریر کیے ہیں۔

مقدمہ میں ابن حاجب کی تصانیف کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا نے منتھی السول والامل فی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمی الاصول والجدل اور مختصر منتہی السول والامل کو علیحدہ دو مستقل کتابوں کی حیثیت سے شمار کیا ہے ہمارے خیال میں یہ ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں۔ اس مختصر کو علماء تراجم نے کئی ناموں سے درج کیا ہے خود مولانا نے کتاب کی شرح میں حاشیہ تحریر کرتے ہوئے اس کتاب کے مختلف نسخوں کا حوالہ دیتے ہوئے درج ذیل نام سے تحریر کیے ہیں۔

۱۔ مولانا نے جس نسخہ کو اصل کی حیثیت دی ہے اس میں کتاب کا نام منتہی الاصول والامل فی علمی الاصول والجدل ہے۔

۲۔ نسخہ الف و باء میں منتہی الوصول ہے اور مولانا نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

۳۔ مفتاح السعادۃ اور حسن المحاضرہ کے حوالہ سے منتہی السوال نقل کیا ہے اور پھر اسے غلط بتایا ہے۔

۴۔ نسخہ جیم میں منتہی السول درج ہے۔

اس طرح مولانا نے نام کے تعین کے ذیل میں مطبوعہ نسخہ کا حوالہ بھی دیا ہے اور اسمیں منتہی الوصول درج بتایا ہے ہمارے زیر مطالعہ اس کتاب کا جو مطبوعہ نسخہ ہے وہ نہایت قدیم اور مطبع کردستان العلمیہ قاہر و مصر سے ۱۳۲۶ھ میں شائع ہوا ہے اس کتاب کے سرورق پر تحریر ہے:

قد قوبل هذا المتن وصحح على نسخة فى غاية الصحة ونهاية الضبط والا تقان مكتوبة فى اوائل جمادى الاولى سنة ثمانين وثمائة .

اس طرح اس مطبوعہ نسخہ کا مقابلہ جس قلمی نسخہ سے کیا گیا ہے وہ مصنف کے عہد سے بہت زیادہ قریب ہے واضح رہے کہ مؤلف کا انتقال ۶۴۶ھ میں ہوا ہے اس مطبوعہ نسخہ میں کتاب کا نام مختصر المنتہی الاصول ہے۔

مولانا کی تحقیقات کے ساتھ یہ کتاب تین ضخیم جلدوں میں مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی کلیۃ الشریعۃ جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی ہے۔

معجم الاصولیین

یہ مولانا کی علمی تحقیقات کا ایک نیا رخ ہے اصول فقہ سے غیر معمولی شغف کے نتیجہ میں مولانا نے یہ فیصلہ کیا کہ فقہاء میں بطور خاص ایسی باکمال شخصیات کے تعارف کے لئے الف بائی ترتیب کی بنیاد پر ایسی کتاب مرتب کی جائے جسمیں اصول فقہ سے مدرس یا مصنف کی حیثیت سے تعلق رکھنے والوں کا تذکرہ جمع کر دیا جائے مولانا نے ذاتی حالات کے بیان کے ساتھ اس بات کا التزام بھی کیا ہے کہ ہر مؤلف کی مطبوعہ یا مخطوطہ کی شکل میں موجود کتابوں کی نشاندہی بھی کر دی جائے اور یہ بھی بیان کر دیا جائے

کہ یہ تصانیف کب اور کہاں شائع ہوئیں اور اگر مخطوطہ کی صورت میں محفوظ ہیں تو کہاں اور کس کتب خانے میں ہیں کشکول مظہری میں معجم الاصولیین کا تعارف کراتے ہوئے مولانا رقمطراز ہیں:

معجم الاصولیین یہ کتاب پانچ جلدوں میں مکمل ہوئی اسکی پہلی دو جلدیں ہی طبع ہوئی تھیں کہ بعض اہل حلقوں سے اعتراضات ہوئے جیسا کہ مدیر شعبہ نے مجھے بتایا کہ اعتراضات دو تھے۔

۱۔ اس میں غیر اہل سنت کا ذکر کیوں کیا گیا

۲۔ اصولیین مغرب کی اصطلاح میں دہشت گردوں کو کہتے ہیں۔

میں نے باقی ماندہ تین جلدوں سے بعض معتزلہ کے سوئی تمام غیر اہل سنت کے تراجم نکال دیے اور چونکہ تیسری جلد شائع ہونے سے قبل میں ریٹائرڈ ہو چکا تھا اس لئے معہد البحوث کے ارباب حل و عقد نے اس کا نام بدل کر اعلام اصول الفقہ الاسلامی و مصنفوھم کر دیا چنانچہ تیسری جلد اسی نام سے شائع ہوئی اس میں ایک نقص یہ رہا کہ اس کے شروع میں یہ نہیں لکھا گیا کہ اسکی پہلی دو جلدیں معجم الاصولیین کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ باقی ماندہ دو جلدیں کب شائع ہوتی ہیں۔ یہ اللہ ہی کے علم میں ہے ان میں سے پانچویں جلد خاص طور پر اس لئے اہم ہے اس میں میں نے مراسلت کے ذریعہ فراہم شدہ اصولیین کے حالات لکھے ہیں۔ معجم الاصولیین کی پہلی دو جلدیں ۱۴۱۰ھ میں شائع ہو چکی ہیں۔

شرح المغنی

مشہور حنفی عالم اور فقیہ شیخ جلال الدین عمر بن محمد الخبازی المتوفی (۶۷۱ھ) نے مقاصد کلیہ اصولیہ اور قواعد اصول فقہ پر "المغنی فی اصول الفقہ" کے نام سے ایک جامع کتاب تالیف کی جو بڑی مقبول ہوئی اور عرصہ تک علمی حلقوں میں متداول رہی کئی نامور علماء نے اسکی شروح لکھیں خود مؤلف نے بھی اپنی کتاب کی شرح تحریر کی مولانا نے مؤلف کی اس شرح کی اپنے روایتی علمی انداز میں تحقیق کی یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہو سکی۔

علاوہ ازیں اردو میں مولانا کی تحقیقات میں ابو العلاء المعری پر ایک رسالہ ہے جو ادارہ مجددیہ کراچی سے ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا ہے۔ "رسالہ فخر الحسن" کو آپ نے تحقیقی حواشی ترجمہ اور مقدمہ سے آراستہ کیا ہے جسے پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا "اسلام کا نظام وراثت فقہ حنفی کے مطابق" اس موضوع پر آپ نے ایک کتاب تحریر کی اور اشاعت کے لئے پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ کو دی "حیات بقا" کے عنوان سے اپنی زندگی کے حالات تحریر کیے بقول مولانا یہ کتاب دراصل اپنے اہل خاندان کے لئے لکھی گئی ہے اور بقا پرنٹرز اینڈ پبلشرز کراچی سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی ۱۹۹۶ء میں" کچھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یادیں" کے عنوان سے مولانا کی ایک اور کتاب بقا پرنٹرز کے تحت شائع ہوئی۔ "یادگار سفر" کے نام سے مولانا نے ایک تفصیلی سفرنامہ بھی تحریر کیا جسمیں حرمین کے علاوہ مصر، عراق، سوریا، اردن، ترکی، امریکہ، کینیڈا اور ہندوستان کے بارے میں اپنے مشاہدات اور تاثرات کا اظہار کیا ہے یہ کتاب ۱۱۰ نادر تصاویر سے آراستہ ہے اور بقا پرنٹرز سے پہلی بار جولائی ۱۹۹۹ء اور دوسری بار نومبر ۲۰۰۲ء میں طبع ہوئی ہے "کشکول مظہری" کے نام سے مولانا کی ایک کتاب تصنیف ۲۰۰۱ء میں ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی سے شائع ہوئی مولانا اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل کے فضل وکرم اور اسکی توفیق سے برسوں میرا یہ طریقہ رہا ہے کہ مطالعہ کے دوران اگر کوئی بات مجھے پسند آئی تو اسے نوٹ کر کے ایک لفافہ میں رکھتا گیا اب جبکہ قویٰ مضمحل ہو چکے نہ دماغ میں طاقت رہی اور نہ نظریں اس قابل رہیں کہ کسی خاص نئے موضوع پر کچھ لکھ سکوں تو متفرق تحریروں کے اس لفافے کی طرف توجہ ہوئی دیکھا کہ اس میں اتنا مواد جمع ہے کہ ایک چھوٹی کتاب تیار ہوسکتی ہے چنانچہ وہی متفرق اور غیر مربوط باتیں ہیں جو اس کتاب میں پیش کی جارہی ہیں۔ غیر مربوط اس لئے کہ کشکول کا تقاضا ہی یہ ہے مرشدی حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب مدظلہ کے ارشاد کے مطابق اس کتاب کا نام کشکول مظہری رکھا گیا۔

مولانا اسلاف کی نشانیوں میں سے تھے قدیم وضع قطع پر آخروقت تک قائم رہے۔ عام طور پر سفید کرتا پاجامہ پہنتے تھے مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران عربی طرز کا لمبا کرتا زیب تن کرتے عمر کے آخری حصہ میں سفید عمامہ کا التزام رہا۔ مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران بالالتزام حرم شریف میں تشریف لاتے اور بیشتر نمازیں وہاں ادا کرتے۔ پاکستان سے آمدہ حجاج کی خبر گیری کرتے معتمرین کو نہایت خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہتے ان کی گھر پر دعوت کرتے مکہ مکرمہ کے اہم مقامات کی زیارت کراتے۔

مولانا شریعت اور طریقت دونوں کے جامع تھے۔ آپ نے حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحب سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور بہت جلد روحانی مدارج طے کر کے صاحب نسبت ہوگئے۔ بقول حضرت شاہ صاحب آپ پر نسبت رسالت کا غلبہ تھا اسی نسبت کا اثر تھا کہ متعدد مرتبہ نبی کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب کے وصال کے بعد آپ نے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب سے تجدید بیعت کی اور بہت کم وقت میں منازل سلوک کی تکمیل کر کے منصب خلافت سے سرفراز ہوئے۔

ملازمت کے انقطاع کے بعد جب آپ مستقلاً کراچی تشریف لے آئے تو اپنے آپ کو دعوتی

© rasailojaraid.com

واصلاحی کاموں کے لئے وقف کردیا۔ ہر ہفتہ آپ کی قیام گاہ پر باقاعدہ حلقۂ ذکر ومراقبہ منعقد ہوتا تھا درس حدیث کا سلسلہ بھی آخروقت تک جاری رہا یہ درس علمی نکات پر مشتمل لیکن عام فہم ہوتا تھا آخروقت تک حافظہ قوی اور علمی نکات مستحضر رہے۔ سیرت وکردار وعظ وبیان اور حلقہ ہائے ذکر کے ذریعے ایک بڑی تعداد آپ سے فیضیاب ہوئی۔ متوسلین اور مریدین کا ایک وسیع حلقہ آپ نے یادگار چھوڑا ہے۔

سفر آخرت کا ہمیشہ دھیان رہا یہ کٹھن منزل کبھی نگاہوں سے اوجھل نہیں رہی۔ مولانا کی کتاب "سفر یادگار" کے ایک اقتباس سے فکر آخرت کے حوالے سے ان کے اضطراب اور بے چینی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے لکھتے ہیں:

"اب جبکہ عمر ۷۶ سال سے تجاوز کر چکی ہے اور سفینۂ حیات لب ساحل آچکا ہے ایک مختصر مگر آسان تر یا خدانخواستہ دشوار تر سفر ہر وقت ذہن پر مسلط رہتا ہے وہ ہے سفر آخرت جس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں"۔

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

افسوس یہ ہے کہ پیری وصد آزاری کیوجہ سے موت سامنے نظر آرہی ہے لیکن اس کے لئے کوئی تیاری نہیں۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ آخر عمر میں بکثرت یہ دعا پڑھ کر رویا کرتے تھے:

رنگالے چندیا بھگالے ری سیس
تو کیا کیا کرےگی ارے دن کے دن
نہ جانے بلالے پیا کس گھڑی
گھڑی منہ تکے گی اری دن کے دن

جانتا ہوں اگر بے زادراہ خالی ہاتھ یہ سفر پیش آیا تو انجام کیا ہوگا اس کے باوجود جہاں تک اس کے لئے کماحقہ تیاری کا تعلق ہے یعنی اطاعت وزہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی میں نے اس سفر کو مختصر اس لئے کہا ہے کہ:

ہستی سے عدم تک نفسے چند کی ہے راہ
دنیا سے گذرنا سفر ایسا ہے کہاں کا
سانس آگئی تو جہاں فانی میں ہیں نہ آئی تو جہان باقی میں پہنچ گئے

یہ سفر آسان تر یا دشوار تر اس لئے ہے کہ رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

© rasailojaraid.com

القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النار

(قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا)

اب تو یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ایمان پر خاتمہ فرمائے اور عالم آخرت کی پہلی برزخی منزل کو ایک باغ بنادے کہ اس کی آخر منزل جنت ہے آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

اس اقتباس پر اس دعا کے ساتھ یہ مختصر تاثرات ختم کیے جاتے ہیں:

اللهم اغفرله وارحمه وادخله الجنة واعذه من النار

حوالہ جات

۱۔ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، مظہر بقا، کراچی بقا پبلیکیشنز، طبع دوم ۱۹۸۶ء

۲۔ ایضاً ص ۱۴۲

۳۔ ایضاً ص ۴۰۰

۴۔ ایضاً ۱۴۳

۵۔ ایضاً ص ۱۴۲

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

کیا مہر کے بغیر نکاح ہوسکتا ہے؟

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ مہر کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ کیا یہ درست ہے؟ قرآن کریم میں مہر کے بارے میں کیا کہا گیا ہے۔ برائے کرم میری رہنمائی فرمائیں۔ (شفقت نواز، ملت ٹاؤن، کراچی)

الجواب: میرے بھائی! آپ کے سوال کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ نکاح کے لئے مہر کی ادائیگی بہت ضروری ہے۔ لیکن اسے انعقادِ نکاح کے لئے شرط قرار نہیں دیا گیا ہے۔ اس لئے جو لوگ کہتے ہیں کہ مہر کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ وہ درست نہیں ہیں۔ (قرآنی دلیل ذرا آگے آتی ہے) جہاں تک آپ کے سوال کے دوسرے جز کا تعلق ہے کہ قرآن کریم میں مہر کے بارے میں کیا کہا گیا ہے؟ تو اس کا جواب قدرے تفصیل سے پیش کیے دیتا ہوں۔ اس تفصیل میں آپ کے سوال کے پہلے جز کی بھی شرح ہوجائے گی۔

میرے محترم! جسے ہم اپنی زبان واصطلاح میں مہر کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے اسکے لئے درج ذیل چار الفاظ استعمال کیے ہیں۔

۱۔ مال ۲۔ صدقہ ۳۔ اجر ۴۔ فریضہ

واضح رہے کہ مہر کوئی متعین رقم نہیں۔ جسکے عوض عورت کو خریدا جاتا ہو۔ یہ محض ایک تحفہ ہوتا ہے جسے بہ رضا ورغبت دیا جاتا ہے۔ لیکن اسکا دینا ضروری ہے۔

اب آپ مہر کے تعین سے قرآنی الفاظ اور ان کے مقامات ملاحظہ فرمائیے:

سب سے پہلے مہر کے مفہوم کو جہاں لفظ "مال" سے ادا کیا گیا ہے۔ وہ دیکھئے واضح ہو کہ اس میں محرمات نکاح کے تفصیلی ذکر کے بعد فرمایا گیا ہے۔

واحل لكم ماوراء ذلكم ان تبتغو با موالكم ۔ (النساء ۲۴)

اور ان کے سوا (سب عورتیں) تمہارے لئے حلال ہیں (اس طرح) کہ تم اپنے اموال کے ساتھ (ان کو) نکاح میں لانا چاہو۔

اس مال دینے کو اصطلاح میں مہر کہتے ہیں۔ لفظ صدقہ بھی مہر کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ارشاد پاک ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واتو النساء صدقتهن نحلہ ۔(النساء/۴)

اور عورتوں کو ان کے مہر بلا بدل ادا کرو۔

آیت میں لفظ نحلہ استعمال ہوا ہے۔امام راغب اصفہانی کے بقول النحلۃ عطیۃ علی السبیل التبرع۔نحلہ وہ عطیہ ہے جو تبرع کے طور پر ہو۔اور تفسیر بیضاوی میں ہے نحلۃ عطیۃ اذا اعطاہ ایاہ من طیب نفس بلا توقع عوض۔نحلہ وہ عطیہ ہے جو بہ رضا و رغبت کسی معاوضہ کے لالچ کے بغیر دیا جائے۔

اب مہر کے لئے لفظ اجر کا استعمال ملاحظہ ہو۔

چونکہ مہر کی مستحق صرف آزاد عورتیں ہی نہیں ہوتیں بلکہ کنیزیں بھی ہوتی ہیں۔اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا گیا۔

فانکحوا ھن باذن اھلھن واتو ھن اجورھن بالمعروف ۔(النساء/۲۵)

پس ان (کنیزوں) سے ان کے مالکوں کی اجازت کے ساتھ نکاح کرو اور انہیں ان کے مہر حسب دستور ادا کرو۔

مسلمان عورتوں اور اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں کے لئے فرمایا گیا۔

اذا اتیتمو ھن اجورھن ۔(المائدۃ/۵)

جبکہ تم انہیں ان کے مہر ادا کرو۔

آنحضرت ﷺ کو بھی مہر کی ادائیگی کا پابند کیا گیا تھا۔یوں مہر کی ادائیگی حضور ﷺ کی سنت بھی ہے۔

یا ایھا النبی انا احللنا لک ازواجک التی اتیت اجورھن ۔۔(الاحزاب/۵۰)

اے نبی! ہم نے تمہارے لئے تمہاری وہ بیویاں جائز کر دی ہیں جنھیں تم نے ان کے مہر دے دیے ہیں۔

دارالکفر سے دارالایمان میں آنے والی مہاجر مومن عورتوں کے لئے کہا گیا:

ولا جناح علیکم ان تنکحو اھن اذا اتیتموھن اجورھن ۔۔(الممتحنۃ/۱۰)

اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کرو، جب تم انہیں ان کے مہر دے دو۔

مہر کا ادا کرنا۔چونکہ حکم خداوندی کے تحت ہے۔اس لیئے اس کے لئے فریضہ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ۔

(البقرۃ/۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں، اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو، جبکہ تم نے ابھی ان کو چھوا نہ ہو یا مہر مقرر نہ کیا ہو۔

کسی چیز پر عمل واجب یا لازم کر دینا فرض کہلاتا ہے۔جیسا کہ سورۃ نور میں آیا ہے۔

سورۃ انزلنھا و فرضنھا ۔(نور/۱)

اس مقام پر فرضنھا کے معنی ہیں۔ہم نے تم پر اس پر عمل کرنا واجب کر دیا ہے۔اور یہی معنی ان الذی فرض علیك القران ۔(القصص/۸۵) میں ہیں۔یعنی وہ ذات کہ جس نے قرآن پر عمل کرنا آپ پر واجب کر دیا ہے۔

چنانچہ یہ امر واضح ہوا کہ آیت میں فریضہ مہر کو اور تفرضوا سے مقرر کیئے جانے کو کہا گیا ہے۔

میرے محترم! یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ مہر چونکہ تحفہ ہے۔جو شوہر کی طرف سے بیوی کو دیا جاتا ہے۔یہ دراصل اس امر کا اظہار ہے کہ جس طرح آج وہ (یعنی شوہر) اپنی شریک حیات کو گفٹ آئیٹم یا گفٹ منی (یعنی مہر) دے رہا ہے۔آئندہ بھی دیتا رہے گا۔اسکی عنایات اور محبتوں کا یہ سلسلہ یونہی جاری و ساری رہے گا۔ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں مہر کی کوئی مقدار یا تعداد متعین نہیں کی جاسکتی۔مگر چونکہ اس کا ادا کرنا ضروری ہے اس لیئے اسے خاوند کی حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے اور یہ حیثیت "سونے کا ڈھیر" عطا کرنے کی بھی ہو سکتی ہے۔جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے۔

وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واتیتم احدھن قنطاراً فلا تاخذوا منہ شیاء

(النساء/۲۰)

اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی (سے نکاح) کرنا چاہو اور تم اسے سونے کا ڈھیر دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ نہ لو۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ مہر دراصل وہی ہے جو قابل ادا ہو۔ایسا مہر باندھنا جو قابل ادا نہ ہو۔صریحاً قرآن مجید کے خلاف ہے۔بلاشبہ آیت میں "قنطار" کا لفظ آیا ہے جو ایک غیر محدود مقدار پر بولا جاتا ہے۔مگر "آتیتم" کے لفظ نے اسے قابل ادا ٹھہرا دیا ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کا مہر کروڑوں روپے باندھتا ہے تو اسے ایسا کرنے سے نہیں روکا جاسکتا۔بشرطیکہ وہ قابل ادا ہو۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔خیر النساء الیسرہ .(ابوداؤد کتاب النکاح) بہترین نکاح وہ ہے جو (بلحاظ مہر) سب سے زیادہ آسان ہو۔ایک حدیث کی رو سے اس عورت کو بہترین کہا گیا ہے جسکے مہر میں اسکے آدمی کو سہولت ہو۔(خیر النساء الیسر ھن صداقا) اور ایک حدیث میں کہا گیا ہے۔ اعظم النسا ، برکۃ الیسر من صداقا ۔سب سے بڑھ کر برکت والی عورت وہ ہے، جسکے مہر میں سہولت ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر یہ بات بھی ہر مسلمان کے لئے قابل حفظ ہے کہ مہر کی ادائیگی نکاح کے ساتھ ہی ہو جانی چاہیے۔۔۔

لیکن۔۔۔مہر مقرر کیے بغیر بھی نکاح ہو سکتا ہے۔اس ضمن میں قرآنی دلیل ملاحظہ ہو۔

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضہ۔

(البقرہ/۲۳۶)

تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دو، جبکہ تم نے ابھی ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو یا مہر مقرر نہ کیا ہو۔

واضح ہو کہ مہر مقرر نہ ہونے کی صورت میں مہر کی تعیین، مہر مثل سے کی جائیگی۔یعنی خاندان میں اس حیثیت کے دوسرے افراد کو دیکھا جائے گا کہ ان کا مہر کتنا باندھا گیا ہے۔پھر وہی مہر اس عورت کا مقرر کیا جائے گا۔میرے بھائی! یہ ہے آپ کے سوال میں پوچھے گئے پہلے جزو کے جواب پر مشتمل قرآنی دلیل، جو ہمارے سلسلہ بیان کے بیچ میں آ گئی ہے۔امید ہے کہ اسکو خصوصی توجہ سے ملاحظہ فرمائیں گے۔ویسے تو ہمارا پورا جواب ہی مہر کی قرآنی تفصیلات پر مشتمل ہے۔اور ہر تفصیل اس لائق ہے کہ اسے یاد رکھا جائے تاکہ عمل میں آسانی ہو۔

میرے بھائی! اس طرح یہ بات بھی ہر مسلمان کو معلوم ہونی چاہیے کہ اگر مہر نکاح کے وقت ادا نہ کیا گیا ہو تو میاں بیوی کی رضامندی سے بعد میں کم یا زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔جیسا کہ تعلیم ہوا۔

ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضہ۔(النساء/۲۴)

اور تم پر اس کے متعلق کوئی گناہ نہیں کہ مہر مقررہ کے بعد تم آپس میں (اس کی کمی بیشی پر) رضامند ہو جاؤ۔

آیت میں جس رضامندی کا ذکر ہے۔وہ مہر کے کم یا زیادہ ہونے سے متعلق ہے۔جسے ہم نے ترجمہ میں نمایاں کر دیا ہے۔

نکاح کے بعد قبل از صحبت رخلوت، طلاق ہو جائے تو۔۔۔اگر مہر متعین نہیں ہوا تھا تو خاوند کو اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور دینا ہوگا۔

ومتعوھن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ متاعاً بالمعروف (البقرہ/۲۳۶)

صاحب حیثیت اپنی وسعت کے مطابق اور تنگ دست اپنی توفیق کے مطابق، حسب دستور کچھ نہ کچھ سامان ضرور دے۔۔۔اگر مہر متعین تھا تو اس کا نصف ادا کرنا لازمی ہے۔

وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضہ فنصف ما فرضتم الا ان یعفون او یعفو الذی بیدہ عقدۃ النکاح وان تعفوا اقرب

للتقوی۔(البقرہ/۲۳۷)

اور اگر تم ان کو طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم نے ان کو چھوا ہو۔اور تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو تو اس کا آدھا دے دو، جو مقرر کیا ہو۔مگر یہ کہ وہ (یعنی بیویاں) معاف کر دیں یا وہ شخص کہ جسکے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔(اپنا حق) معاف کر دے (اور اے مردو! اگر) تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ سے بہت نزدیک ہے۔

آیت کے مطابق، عورت اگر اپنا حق چھوڑنا چاہے تو اسے اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنا پورا مہر چھوڑ دے۔تاہم پسندیدہ امر یہ ہے کہ مرد بجائے آدھے کے اسے پورا دے دے۔ورنہ آدھا مہر تو ہر حالت میں دیا جائے گا۔

میرے محترم! آپ کی ڈیمانڈ کے مطابق میں نے قرآن مجید سے رہنمائی فراہم کر دی ہے۔امید ہے کہ بقیہ مسائل و احکام میں بھی آپ اس حسن طلب کا مظاہرہ کریں گے۔میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اندر قرآن فہمی کے جذبے کو مزید پروان چڑھائے۔(آمین)

کیا کسی کو جبراً مسلمان بنایا جا سکتا ہے؟

سوال: کیا کسی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جا سکتا؟

اگر یہ موقف درست ہے تو پھر حضرت سلیمان کا ملکۂ سبا کو پیغام کہ ایمان لے آؤ ورنہ ہم لشکر لے آئیں گے۔ ذوالقرنین کا پیغام ایک قوم کو کہ ایمان قبول کر لو ورنہ سزا دینگے کیا ان پیغمبروں نے لوگوں کو جبراً مسلمان کیا؟ ے۔جیم (کراچی)

جواب: میرے محترم! آپ نے جبراً مسلمان کرنے پر دو اہم قرآنی شخصیات کا جو حوالہ دیا ہے وہ دراصل نفس مسئلہ کی کماحقہ، تفہیم حاصل نہ ہونے کے باعث آپ کے مغالطے کا سبب بنا ہے۔آپ کا یہ کہنا کہ ''حضرت سلیمان کا ملکۂ سبا کو پیغام کہ ایمان لے آؤ، ورنہ ہم لشکر لے آئیں گے'' مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے یہ مفہوم کہاں سے اخذ کیا ہے۔جہاں تک قرآن مجید فرقان حمید کا تعلق ہے۔وہاں اس طرح کی کوئی آیت موجود نہیں کہ جسے آپ کے مفہوم کا ماخذ قرار دیا جائے۔قرآن کے مطابق، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا کو جو خط لکھا تھا اس کا مضمون یہ تھا۔

انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵ الا تعلوا علی واتونی مسلمین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(النمل ۳۰-۳۱)

یہ سلیمان کی طرف سے ہے جو اللہ رحمن رحیم کے نام سے ہے کہ تم لوگ میرے خلاف سرکشی نہ کرو اور فرمانبردار ہو کر میرے پاس آ جاؤ۔

یہاں تعلوا کے معنی ہیں سرکشی اختیار کرنا اور مسلمین کے معنی ہیں مطیع و فرمانبردار ہو جانا۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکۂ سبا کا ارادہ حضرت سلیمان کے خلاف سرکشی اختیار کرنے کا تھا۔ جسکی آپ کو خبر ہو گئی تھی۔ یہیں سے ہمیں ملکۂ سبا کے جارحانہ عزائم کا پتہ چلتا ہے جبکہ حضرت سلیمان کا طریق، جوابی کاروائی (یعنی مدافعانہ) نظر آتا ہے۔ ایسا مدافعانہ کہ جسمیں آئندہ کی پیش بندی کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہو۔

میرا خیال ہے کہ لفظ "مسلمین" سے آپ کو دھوکا لگا ہے آپ نے مسلمین کا معنی مسلمان ہونے سے کر لیا ہے جبکہ وہ یہاں مطیع و منقاد کے معنی میں ہے۔ ملکۂ سبا کے قبول اسلام میں حضرت سلیمان کا جبر، کہیں نظر نہیں آتا۔ اسلیئے آپ کا خیال ہے کہ کسی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جا سکتا؟ جی ہاں! ہرگز، ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ قرآن کے یکسر خلاف ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت سلیمان نے ملکۂ سبا کے بھیجے گئے قاصد سے یہ فرمایا تھا کہ

ارجع اليهم فلنا تينهم بجنود لا قبل لهم بها ولنخر جنهم منها اذلة وهم صغرون۔
(النمل ۳۷)

(اے قاصد!) انکی طرف واپس چلا جا (اور انہیں بتا دے کہ) ہم ضرور ان پر ایسے لشکروں کے ساتھ چڑھائی کریں گے۔ جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہ ہو گی اور ضرور ہم اس شہر سے انہیں کمزور کر کے اس حال میں نکال دیں گے کہ وہ (ہمارے) محکوم ہوں گے۔

ملکۂ سبا اور ان کے حواریوں کی سرکشی کے ساتھ ساتھ تو اس فرمان عالیشان کا سبب یہ تھا کہ حضرت سلیمان کو باوثوق ذریعہ سے معلوم ہو چکا تھا کہ انہیں اپنی عسکری طاقت اور جنگی قوت پر بھی بڑا غرور ہے۔ جیسا کہ اس سورۂ کی آیت نمبر ۳۳ میں ان کا یہ جملہ نقل ہوا ہے۔

قالوا نحن اولوا قوة واولوا باس شديد ۔الخ۔

وہ بولے کہ ہم بہت طاقتور اور سخت جنگجو ہیں۔

حضرت سلیمان کا قول دراصل ان کے اس غرور و تکبر کا جواب تھا کیونکہ حضرت سلیمان، صرف بادشاہ ہی نہیں بلکہ اللہ کے نبی بھی تھے۔ کفر و شرک کی حکومت اگر غیر جارح ہو تو اسے برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن اگر جارح ہو جائے تو اسکا جواب دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ حضرت سلیمان کا جواب اسی

پس منظر کا آئینہ دار تھا۔

میرے محترم! جہاں تک آپ کے سوال کے پہلے جزو کا تعلق ہے تو اس کا جواب کافی حد تک مکمل ہو چکا ہے۔ مگر میں ذرا تفصیل میں جانا چاہتا ہوں تا کہ نفس مسئلہ پوری طرح آشکار ہو جائے۔ کیونکہ سلیمان علیہ السلام اور ملکۂ سبا کے ضمن میں لفظ مسلمین دو مرتبہ اور آیا ہے اگر میں ان مقامات کی وضاحت نہ کروں تو بہت ممکن ہے کہ آپ ایک مغالطہ سے نکل کر کسی دوسرے مغالطہ میں نہ پڑ جائیں۔

میرے بھائی! اس سورہ میں ذرا آگے چل کر فرمایا گیا ہے۔

قال يا ايها الملؤا ايكم يا تيني بعر شها قبل ان ياتوني مسلمين٥۔ (النمل ۳۸)

(سلیمان نے) فرمایا اے سردارو! تم میں کون ہے جو اس کا تخت میرے پاس لے آئے۔ قبل اس کے کہ وہ میرے پاس فرمانبردار ہو کر آئیں۔

یہاں پر بھی لفظ مسلمین اپنے لغوی معنی میں آیا ہے جیسا کہ قرآنی سیاق و سباق سے بخوبی ظاہر ہے۔ تھوڑا آگے چل کر یہ لفظ پھر اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

فلما جاء ت قيل اهكذا عرشك قالت كانه هو ، واوتينا العلم من قبلها و كنا مسلمين۔ (النمل ۴۲)

پس جب وہ آئی، اس سے پوچھا گیا تیرا تخت ایسا ہی ہے وہ کہنے لگی کہ گویا یہ وہی ہے اور ہمیں اس سے پہلے علم ہو گیا تھا۔ اور ہم تابعدار ہو گئے ہیں۔

اس آیت میں موجود "کنا مسلمین" کو دو طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ طرح اول میں اس کا معنی ہے کہ ہم نے بت پرستی چھوڑ کر توحید اختیار کر لی ہے۔ جبکہ طرح دوم میں یہ ہے کہ ہم نے سرکشی کو چھوڑ کر تابعداری کی راہ اختیار کر لی ہے۔ یہاں پر قرآنی سیاق، دوسرے معنی کا تقاضا کر رہا ہے۔ کیونکہ ملکۂ سبا کے اسلام لانے کا واقعہ آیت نمبر ۴۴ میں بایں الفاظ آیا ہے۔

قالت رب انى ظلمت نفس واسلمت مع سليمان لله رب العلمين٥۔

(ملکۂ سبا نے) کہا میرے پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب میں خود کو سلیمان علیہ السلام کی معیت میں اللہ رب العلمین کے حوالہ کرتی ہوں۔

بس یہی وہ مقام ہے جو ملکۂ سبا کے ایمان و اسلام کا مظہر ہے۔ اور یہاں ظاہر ہے کہ ملکۂ سبا کسی جبر کے بغیر، اپنا اسلام ظاہر کرتی ہیں۔ بلکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ملکۂ سبا کے اسلام لانے کے پیچھے سلیمان کا جبر نہیں بلکہ ملکۂ سبا کے اپنے علم و عقل کی رہنمائی کارفرما ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم وعقل کی رہنمائی سے مراد یہ ہے کہ ملکۂ سبا کے تخت کو کچھ ضروری تبدیلی (النمل/۴۱) کے بعد ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ تبدیلی یہ کی گئی کہ تخت پر جو بتوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں انہیں مٹا دیا گیا اور اس طرح تخت بلقیس کو شرک کی آلودگی سے پاک کر دیا گیا اور پوچھا گیا اھکذا عرشك۔ کیا تیرا تخت ایسا ہی تھا۔ تو اس نے جواباً کہا کانہ ھو۔ گویا کہ یہ وہی ہے۔ (النمل/۴۲) اگر یہاں حکذا کی بلاغت پر نظر رہے تو تبدیلی کا ذرہ با آسانی سمجھ میں آجاتا ہے اور وہی یہاں مقصود بھی ہے۔ بہر حال تخت بلقیس میں تبدیلی جہاں "علم" کے بغیر ناممکن تھی۔ وہیں اس تبدیلی کی تفہیم بھی علم کے بغیر ناممکن تھی۔ اور یہی وہ علم تھا کہ جو بلقیس کی ہدایت کا ذریعہ بنا۔ مزید یہ کہ جب ملکۂ سبا کو محل میں داخل ہونے کو کہا گیا تو اس نے فرش محل کو گہرا پانی خیال کیا اور اسے امر شدید جانتے ہوئے گھبرا گئی۔ اس پر سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ یہ شیشے سے مرصع فرش ہے (پانی نہیں ہے) (النمل/۴۴)

یہ منظر دراصل ملکۂ سبا کی عقل کو جھنجوڑنے کا باعث بنا۔ اور اس نے حقیقت اور سراب کے مابین فرق کو سمجھ لیا۔ یعنی اس نے جان لیا کہ جس طرح وہ شیشے کو پانی سمجھ بیٹھی ہے۔ اس طرح سورج کو بھی خدا سمجھ بیٹھی ہے۔ عقل کے اس صحیح استعمال پر اللہ نے اسے دولت اسلام سے نوازا۔

امید ہے کہ آپ نے جان لیا ہوگا کہ ملکۂ سبا کے ایمان واسلام کا باعث حضرت سلیمان علیہ السلام کا جبر واکراہ نہیں بلکہ اسکی وہ آزاد مرضی اور اختیار تھا، جو علم وعقل کے صحیح استعمال سے ہدایت پر منتج ہوا۔ اس لئے لا اکراہ فی الدین (البقرہ/۲۵۶) کا قرآنی اصول کہیں نہیں ٹوٹتا۔

ذوالقرنین کے حوالے سے بھی اپنی غلط فہمی دور کر لیجئے۔ آپ نے لکھا ہے کہ ذوالقرنین کا پیغام: "ایک قوم کو کہ ایمان قبول کرلو ورنہ سزا دیں گے"۔

آیئے نفس مسئلہ کی وضاحت کے لئے قرآن سے رہنمائی لیں۔ قرآن مجید کے مطابق حضرت ذوالقرنین جب ایک قوم کے پاس پہنچے تو اللہ نے ان سے فرمایا کہ:

یذا القرنین اما ان تعذب واما ان تتخذ فیھم حسنا۔ (الکہف/۸۶)

اے ذوالقرنین! چاہو تو (اس قوم کو) سزا دو اور چاہو تو ان سے حسن سلوک کا معاملہ کرو۔ امر خداوندی کی تعمیل میں حضرت ذوالقرنین نے اس قوم سے کہا کہ

اما من ظلم فسوف نعذبہ ثم یرد الیٰ ربہ فیعذبہ عذابا نکرا۔ (الکہف/۸۷)

جو کوئی ظلم وزیادتی کرے گا۔ ہم اسے سزا دیں گے۔ پھر (جب) وہ اپنے رب کی طرف پلٹایا جائے گا تو وہ اسے بہت بڑا عذاب دے گا۔

واما من آمن وعمل صالحا فلہ جزاء ن الحسنیٰ و سنقول لہ من امرنا یسرا (الکہف/۸۸)

اور جو کوئی ایمان لاتا ہے اور اچھے اعمال انجام دیتا ہے تو اس کے لیے بہت اچھا بدلہ ہے اور ہم اسے اپنے معاملہ میں سہل بات کہیں گے۔

غالباً یہی وہ آیات ہیں کہ جن سے آپ نے جبری ایمان کا تصور اخذ کیا ہے۔ جبکہ ان آیات میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ آیت نمبر ۸۷ میں مـن ظـلـم کے جو الفاظ آئے ہیں۔ بالعموم اس کے معنی شرک کے کئے گئے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہی مفہوم بنتا ہے۔ جو آپ نے اخذ کیا ہے۔ مطلب یہ کہ ذوالقرنین نے اس قوم سے کہا کہ جو کوئی شرک کرے گا۔ اس سزا دوں گا اور جو ایمان لائے گا اس کے لئے بہتر بدلہ ہوگا۔ مگر یہ معنی اصول شریعت کے ہی خلاف ہیں کیونکہ شریعت کا قانون ہے کہ مشرکوں کو ان کے افساد اور دہشت گردی کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے۔ نہ کہ ان کے شرک کی وجہ سے باایں وجہ یہاں ظلم کا معنی شرک نہیں بنتا بلکہ سرکشی اور زیادتی بنتا ہے۔ جیسا کہ مولانا محمود حسن (اسیر مالٹا) نے اما من ظلم فسوف نعذبہ ۔۔۔ الخ۔ کو بایں الفاظ مفہوم کیا ہے۔ "جو کوئی ہوگا بے انصاف سو ہم اس کو سزا دیں گے"۔

دوسرے یہ کہ مـن ظـلـم کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی ایسی قوم تھی جسکی طرف سے پہلے کسی قسم کی سرکشی سرزد ہو چکی تھی، جبھی ارشاد خداوندی میں پہلے امـا ان تـعـذب آیا ہے۔ اور اس پورے قصے کو پڑھ کر معلوم یہی ہوتا ہے کہ حضرت ذوالقرنین کا یہ سفر (بمعہ لاؤ لشکر کے) قوم مذکور کی اسی سرکشی کی سرکوبی کے لئے تھا نہ کہ جبراً مسلمان کرنے کے لئے۔

پھر آیت میں ذوالقرنین کو سزا دینے یا حسن سلوک کرنے کا ایک ساتھ جو حکم آیا ہے۔ اسمیں میرے نزدیک یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ وہ قوم اصلاتو سرکشی کے جرم کی مرتکب ہوئی ہے جس بناء پر وہ سزا کی مستحق ہے۔ تاہم ذوالقرنین کو حسن سلوک کا بھی اختیار دے کر یہاں قوم مذکور کو ہدایت کا ایک موقع بھی فراہم کر دیا گیا ہے۔

میری اس وضاحت سے امید ہے کہ آپ مطمئن ہو گئے ہوں گے کہ حضرت ذوالقرنین نے کسی قوم کو جبراً مسلمان نہیں کیا ہے۔ اور یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ ایمان اپنے اظہار و بیان میں دل کی تصدیق چاہتا ہے۔ جبکہ جبر کا مارا انسان، دل کی تصدیق سے یکسر محروم ہوتا ہے۔ پھر کیا ذوالقرنین اتنی واضح اور فطری بات بھی نہیں جانتے تھے؟ امید ہے۔ آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے۔

© rasailojaraid.com